ہندوستان کے متعلق جاحظ کی اجمالی معلومات کا تفصیلی جائزہ

جناب ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی صاحب۔ حیدرآباد دکن

(۳)

دوسرے گروہ کا خیال ہے: یہ جوتے رات میں بچھوؤں سے اور دن میں کیچڑ سے محفوظ رہنے کے لئے اختیار کئے گئے ہیں کیونکہ کیچڑ ایڑی تلے کی موٹائی کی وجہ سے اندر نہیں آسکتا اور بچھو کی ڈنک ان کو پار نہیں کرسکتی۔ مرورِ ایام سے ایسے جوتے وضع کرنے والے کی مصلحت بھلادی گئی۔

ایک اور گروہ کہتا ہے، اس کو بادشاہوں نے اس کی کھٹ کھٹ اور چرچر کی وجہ سے اختیار کیا ہے تاکہ اگر وہ اپنی بیویوں، خواصوں اور محرموں کی طرف آنا چاہیں تو جوتے کی آواز قریب آنے، خبردار کرنے اور اپنی آمد کی اطلاع دہی کے ساوی و مترادف سمجھی جائے کیوں کہ عورتیں مختلف حالات و امور میں رہتی ہیں۔ آواز آنے سے وہ سدھر سنبھل جائیں گی۔

پھر جاحظ اپنے ہدفِ ملامت ابن عبدالوہاب سے کہتا ہے۔ اسماعیل بن علی کہتا ہے کہ تم ہی نے لوگوں کو ایسے جوتے استعمال کرنے کا حکم دیا، ان کے بنانے کی ترکیب بتائی لیکن اس کی ساخت کی علت کا راز پوشیدہ رکھا (۱۰۲)

سندھی جوتوں کے متعلق جاحظ کی اس اولین اطلاع سے اتنی بات تو یقینی ہے کہ مغربی ایشیا والوں کو خوش وضع، اونچی ایڑی اور مضبوط تلے والے جوتوں کا استعمال سندھیوں نے سکھایا، اہل مغرب کی عورتوں میں مدتوں سے اونچی ایڑی کا جوتا رائج ہے جس سے سینہ لازماً ابھرا رہتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہ عربوں ہی کے واسطے سے وہاں پہونچا ہو۔

جاحظ کے معاصر بزرگ احمد بن حنبل کی رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جوتوں کی وضع قطع بہت خوبصورت ہوتی تھی۔ ممکن ہے ان پر رنگ برنگ کے سوتی یا ریشمی تاگوں سے بھول پتے بھی کاڑھے جاتے ہوں۔

کتاب الورع میں ہے:۔ نعل سندھیہ کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا:۔ اگر باہر جانا ہو یا کیچڑ ہو تو مضائقہ نہیں لیکن زینت کے لئے اس کا استعمال درست نہیں۔ ایک مرتبہ آپنے کسی کے پھاٹک پر سندھی جوتا دیکھا تو کہا اس کا پہننے والا شہزادوں سے مشابہت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسی کتاب میں ہے کہ آپ عورتوں اور بچوں کے لئے بھی اس کا استعمال مکروہ سمجھتے تھے۔ (۱۰۳)

عربوں میں اسی قسم کے سندھی جوتوں کی فوری اور غیر معمولی مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ وہ عمامہ کی طرح جوتوں کو بھی لباس کا ایک نہایت ہی ضروری جزو خیال کرتے تھے جیسا کہ خود جاحظ نے نقل کیا ہے۔ وہ تو یہاں تک کہا کرتے تھے، کہ جب تک عرب تلوار لٹکائے، شملہ باندھے، اچھے جوتے پہنے رہیں گے اور جھگڑا چکانے کے لئے مال سے دست بردار ہونے کو ذلت نہ سمجھیں گے اس وقت تک کوئی ان کو ختم نہیں کرسکتا اور نہ اُن کو زوال آسکتا ہے (۱۰۴)

پہلے پہل نعل سندھیہ یقیناً سندھ سے برآمد ہوتے تھے پھر عراق میں بس جانے والے سندھی ان کو تیار کرنے لگے اور جب طلب بڑھی تو رسد کے لئے مقامی لوگ بھی اس پیشہ میں لگ گئے اور جاحظ کے زمانہ میں تو اس صنعت کے مستقل کارخانے قائم ہو گئے تھے جس کا اجمالی حوالہ البیان میں بھی آیا ہے (۱۰۵)

سیوف قلعیہ اور نعل سندھیہ کے علاوہ ہندوستان کی کسی اور ایسی صنعتی چیز کا ذکر جاحظ کے یہاں نہیں ملا۔ جو عراق میں درآمد کی جاتی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستانی صنعتی اشیاء وسیع پیمانہ پر مغربی ایشیا میں برآمد نہیں کی جاتی تھیں، یہاں برآمد ہونے والی چیزوں میں زیادہ تر خام پیداوار تھیں۔

سندھ کے شہروں میں جاحظ کے یہاں بروص، سندان، قندابیل، قیقان و ملتان کا ذکر صرف ضمناً ملتا ہے۔

بروص (با بسم اللہ مفتوح را مہملہ مجزوم اور واؤ مفتوح آخری حرف صاد مہملہ یا ضاد معجمہ) ہندوستان کے مغربی ساحلی علاقہ بھروچ واقع گجرات کی تعریب۔

جاحظ کے الفاظ ہیں :۔ کل قوس بندق جیدۃ یقینا تھامن بروض ۔یعنی غلیل کا تن بروص ہی سے آتا ہے ۔فضل بن عبدالصمد (معاصر ابی نواس) کا شعر ہے۔

انعت قوسًا نعت ذی اتقاء جاء بھا جالب بروضاء

مطلب یہ ہوکہ میں کمان کا وصف بیان کروں گا جو بروص سے لائی گئی ہے ۔ایک دوسرے شاعر کا مصرع ہے ۔ ع باکفھم قضبان بروص قد غدوا ۔ یعنی اُن کے ہاتھوں میں بروص کی غلیلیں ہیں ۔فضل کا ایک اور شعر ہے ۔

من شِقَقٍ خضر بروصیّات صفر اللحاء والخلوقیات

یعنی کمٹھوں (یا غلیلوں) کے تن سبز بروص بانس کے بنے ہوئے ہیں اور (خشک ہونے پر) اُن کا رنگ زرد و زعفرانی ہے (۱۰۶)

کمان اور اس کے ہم جنس ہتھیار سے متعلق یہاں چند ابتدائی باتیں معلوم رہیں تو شواہد کو سمجھنے اور نتائج اخذ کرنے میں سہولت ہوگی ۔

غلیل (عربی ۔ قوس بندق) کمان یا کمٹھے کے دو جزو ہوتے ہیں ۔ تن اور چلّہ ۔غلیل وغیرہ کے دونوں سرے جہاں چلّہ باندھا جاتا ہے اصطلاحًا گوشے کہلاتے ہیں ۔غلیل کا چلّہ صرف تانت کا اور کمان کا سوتی ہوتا ہے ۔ہندی غلیل سے صرف پتھر کی گولیاں، کمان سے صرف تیر اور کمٹھے سے حسب موقع چلّہ بدلکر کبھی گولیاں اور کبھی تیر چلائے جاتے ہیں ۔ ہندوستان میں غلیل اور کمٹھا صرف بانس سے بنتا تھا اور ان کے گوشہ و تن دونوں کی کانپ ایک ہی ہوتی ہے گوشہ تن میں جڑا ہوا نہیں ہوتا ۔کمان کی بناوٹ میں سینگ، لکڑی اور سریش میں گوندھا ہوا بُرادہ وغیرہ بھی لگایا جاتا ہے ۔ فولادی کمان کے سوا دوسری ہر قسم کی کمان کی ساخت مرکب اور غلیل و کمٹھے کی سادہ ہوتی ہے ۔

ہندوستان سے غلیلیں اور کمٹھے زیادہ تعداد میں دساور ہوتے تھے اور کمانیں کم ۔غلیلیں وغیرہ جتنی برآمد ہوتی تھیں اُن سے بہت زیادہ اُن کے متون برآمد کئے جاتے تھے ، اور ان سے غلیلیں وغیرہ بنانے کا کام عرب کے جنوبی اور جنوب مشرقی ساحلی علاقوں میں ہوتا تھا ۔

عربی زبان میں قنا کے لغوی اور متعین معنی کمان یا نیزہ کا متن ہیں نہ کہ پوری کمان یا مکمل نیزہ۔ سید محمد یوسف بھوپالی کی فاضلانہ تحقیق کی رو سے لفظ قنا سنسکرت لفظ کندا کی تعریب ہے۔ (۱۰۷)

ان تاریخی واقعات سے ثابت ہوا کہ من جملہ بعض اشیاء خوردنی وغیرہ کے اہل عرب اپنے اہم ترین اسلحہ "قلعی تلواریں"، بروصی کمانیں اور نیزوں کے متون ہندوستان ہی سے حاصل کرتے تھے۔ یہ ہتھیار ہندوستان میں کئی جگہ تیار ہوتے تھے مگر مغربی ملکوں خصوصاً عرب کو بھروچ کی بندرگاہوں سے بھیجے جاتے تھے، کمان اور نیزہ کا بنیادی جزو یہیں سے بار کیا جاتا تھا۔ عرب و ہند میں اسلحہ کی تجارت بھی سنہ ہجری سے کم از کم دو سو سال پہلے سے جاری تھی۔

سِندان۔ بکسر سین مہملہ دوسرا اور آخری حرف نون۔ پہلا نون مجزوم۔ تیسرا حرف دال مہملہ۔ یہ اہرن کے معنیٰ میں فارسی لفظ نہیں ہے بلکہ سنسکرت ہی کے سَندھان (بالفتح نون اول مکسور) کی تخفیف شدہ تعریب ہے۔ سندھان کے لغوی معنی مخزن، سامان اتارنے کی جگہ یا گودام ہیں۔ لفظ سَندھان اور سِندھان کے حرکات منضبط نہ ہونے کی وجہ سے معنی و مقام کی تعیین میں بعض مورخوں کو بڑی غلط فہمی ہوئی ہے (۱۰۸) یہ مقام مستقل بندرگاہ نہیں بلکہ لنگرگاہ تھی جہاں پورا جہاز خالی کیا جاتا تھا اور نہ پورا بھرا جاتا تھا بلکہ کچھ اشیاء اتاری جاتی تھیں اور کچھ بار کی جاتی تھیں۔ مرور زمانہ سے اسم عام اسم خاص ہوگیا۔ بمبئی اور سورت کے درمیان یہ ساحلی مقام اب بھی موجود ہے اور سنجان کہلاتا ہے۔ ہار ہوز کی بجائے جیم معجمہ گجراتیوں کا تصرف ہے جو سنسکرت کے سندھان (پہلا نون مکسور) کی مفرس شکل ہے۔ بروایت بلاذری (۱۰۹) بنو سامہ کے مولیٰ فضل بن ماہان نے سندان فتح کیا اور المامون کو نامۂ فتح کے ساتھ ایک ہاتھی بھی نذر بھیجا۔

قندابیل، بالفتح، وہی ہے جس کو آجکل گنداوا کہتے ہیں، یہ سیبی کے (بکسر سین و ندانہ دار یائے معروف کے بعد بار لبسم اللہ مفتوح) جنوب اور قلات کے مشرق میں واقع ہے (۱۱۰) اس کو محمد بن قاسم ثقفی نے فتح کیا تھا (۱۱۱)

قیقان (بفتح قاف دوسرا حرف یار مجہول تیسرا حرف بھی قاف) دریائے سندھ کے بالائی حصہ کا ایک شہر جو اب باقی نہیں رہا۔ (۱۱۲)

ملتان اب بھی موجود ہے، اس کی شہرتِ رفتہ عود کر رہی ہے ۔ (۱۱۳)

(۹)

جاحظ کے یہاں شہروں کے متعلق معلومات کی خواہ کتنی ہی قلت کیوں نہ ہو ان میں رہنے والوں کے بارے میں اس نے جو اطلاعیں دی ہیں وہ ان خبروں سے بھی غالباً بہت زیادہ دلچسپ ہیں جو اس نے جانوروں وغیرہ کے متعلق دی ہیں ۔ ہندیوں کے متعلق اس کی دی ہوئی بعض اطلاعیں تو عبرت سے بھی خالی نہیں۔ پُر منفعت تو شاید سبھی ہیں ۔

پیوندی نسل کے سلسلہ میں جاحظ نے لکھا ہے :- ورأینا البیسری من الناس وھوالذی یخلق بین البیض والھند لا یخرج ذلک النتاج علی مقدار ضخم الابوین وقوتھا و لکنّہ یجیٔ احسن واملح وھم یسمون الماء اذا خالطہ الملوحۃ بیسرًا قیاسًا علی ھذا الترکیب الذی حکینا عن البیض والھندیات (۱۱۴)

اس اقتباس کا مفہوم یہ ہے کہ بیسری وہ شخص ہے جس کا باپ سفید فام اور ماں ہندی یا اس کے برعکس ہو ۔ ایسوں کی اولاد اپنے والدین کی طرح قوی تن و مضبوط تو نہیں ہوتی لیکن اپنے ماں باپ سے زیادہ خوبصورت اور ان سے زیادہ ملیح ہوتی ہے چنانچہ اس پر قیاس کر کے ایسے پانی کو بھی بَیْسَرِی کہتے ہیں جس میں نمکینی ہو ۔

جاحظ کی ایک دوسری عبارت ہے :- والدجاج الخلاسی من بین النبطی والسندی ..... فاذا کان بین البیضاء والھندی فھو بیسری (۱۱۵) یعنی خلاسی مرغی وہ ہے جو نبطی و ہندی جوڑے سے نکلی ہو اور اگر یہ سفید فام اور ہندی جوڑے کے اختلاط کا نتیجہ ہو تو اس کو بیسری کہتے ہیں ۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ بیسری کا اطلاق انسانوں اور حیوانوں کی مخلوط نسل کے ایسے افراد پر ہوتا ہے جن کے والدین میں سے ایک سفید فام اور دوسرا ہندی یا سندھی ہو ۔

بَیْسَر بروزن خیبر کی جمع بیاسرہ بروزن فیاصرہ آتی ہے ۔ بیاسرہ کے متعلق قاموس میں ہماری

معلومات میں اضافہ اور جاحظ کے بیان کی وضاحت کرتی ہیں ۔ البیسری جیل من الہند والسندہ تتناجرہم النواخذۃ لمحاربۃ العدو (۱۱۶) یعنی بیاسرہ ہند یا سندھ کا ایک نسلی گروہ ہے۔ دشمن کا مقابلہ کرنے میں ناخدا معاوضہ پر ان کی خدمات حاصل کرتے ہیں ۔

ہم جانتے ہیں کہ بندرگاہوں کی آبادی عموماً نیم مبل ہوتی ہے۔ ان بندرگاہی باشندوں کی اولاد تو خاص طور پر مخلوط النسل کی ہوتی ہے جن کا پیشہ بحری تجارت یا جہاز رانی ہوتا ہے اور جو عموماً اپنے زاد بوم سے دور رہتے اور مختلف ملکوں کے چکر کاٹتے ہیں چونکہ مخلوط النسل کے ایسے لوگوں کی خاندانی روایتیں سیر و سفر کی ہوتی ہیں اس لئے جب کساد بازاری ہوتی ہے تو ان میں کے کم ہمت ماہی گیری اور جرأت مند قزاقی کرتے ہیں ۔ اسی وجہ سے بعد میں بیسری قزاقی کا ہم معنیٰ ہو گیا حتیٰ کہ بعض قاموسوں میں اس لفظ کے یہی معنی درج کر دیئے گئے ہیں ۔

جاحظ کے بیان میں لفظ بیسری کا خالص عربی ہونا ضمناً ثابت ہوتا ہے اس لئے اس کی لغوی و صوتی وضاحت ہو جانی چاہیئے ۔

عربی س ب ر کے معنی میں کوئی کام قبل از وقت یا بے موقع و محل کرنا جیسے مثلاً پھل کو پکنے سے پہلے توڑنا یا کھانا ۔ میعاد سے پہلے قرض کا مطالبہ کرنا، خشک کنویں میں پانی تلاش کرنا اسی مادہ س ب ر کے دوسرے بنیادی معنی ہیں ۔ دو مختلف جنسوں کی چیزوں کو ملا دینا ۔ پکی کھجوریں کچی کھجوروں میں ملا دینا ٹھنڈے پانی میں گرم پانی ملا دینا دوسرے معنی کی مثالیں ہیں ۔

جو سفید فام یا سیاہ فام اپنے ہم رنگوں میں شادی نہیں کرتا وہ گویا ایک بے محل کام کرتا ہے ۔ ازدواجی تعلق کی وجہ سے دو مختلف رنگ کے افراد ایک ہی رشتہ میں منسلک ہو جاتے ہیں اور اس شرعی اختلاط سے جو اولاد ہوتی ہے وہ نو مادی حیثیت سے بھی مخلوط ہوتی ہے اس لئے بیسری کہلاتی ہے (۱۱۷)

المخصص میں بیاسرہ کا املا بیماسرہ (یا ر کے بعد میم) چھپا ہے (۱۱۸) یہ خطاء کتابت کی ایک بدترین مثال ہے ۔

" وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوا بیسری کہلاتا ہے" یہ معنی مسعودی نے لکھے ہیں (۱۱۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوط نسل کے بہت سے افراد اپنے مادر وطن ہندوستان ہی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اُن سے جو اولاد ہوئی وہ بھی بطور نسبت بیسری کہلائی۔

یائے نسبتی سے صرفِ نظر بیسر کی یار ساکن زائد ہے۔ عربوں کا طریقہ ہے کہ جب وہ کسی لفظ کے معنی میں شدت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بعض وقت اس لفظ میں ایک یا دو حرف کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک حرف کے اضافہ سے معنی میں اضافہ لازمی طور پر پیدا ہوتا ہے۔ اپنے ذوق کی بنا پر وہ کسی لفظ میں حرف کا اضافہ کبھی مادہ کے شروع میں کبھی درمیان میں اور کبھی آخر میں کرتے ہیں۔ عصفور میں عین عنصر میں نون اور حلقوم میں میم کا اضافہ ایسا ہی ہے یہ حرفی اضافہ معنوی وصرفی مبالغہ سے علیحدہ چیز ہے (۱۲۰)

چونکہ بیسری کی حقیقت اب تک بہت سوں سے مستور اور بعضوں کے لئے حیران کن رہی تھی اس لئے مندرجہ صدر تفصیل کی معذرت ضروری نہیں معلوم ہوتی۔

سندھ کا دوسرا نسلی گروہ زط ہے۔ یہ ہندی کے جت یا جاٹ کی تعریب ہے۔ بیسری کی طرح زط کی اوّلین تحریری شہادت غالباً جاحظ ہی کے یہاں ملتی ہے۔ البخلا میں ان کا ذکر برّی ڈاکوؤں اور البیان میں خلیفہ مامون کے خلاف شورش کرنے والوں اور الحیوان میں جنوں سے مشابہت رکھنے والوں کی حیثیت سے آیا ہے (۱۲۱) اسی کتاب میں ایک اور جگہ مچھّر کے متعلق کسی راجز کا ایک مختصر سا رجز نقل ہوا ہے۔ اس کا ایک مصرع ہے: اذ تغنّین غناء الزط۔ مطلب یہ کہ مچھّر زطیوں کا گانا گا رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ زط اہل عراق میں مقبول نہیں ہوئے۔

بعد کی ادبی اور تاریخی کتابوں میں زط کے حالات بکثرت آئے ہیں۔ اگر ان سب سے مواد فراہم کیا جائے تو ایک ہندوستانی قوم کی مستقل تاریخ تالیف ہو سکتی ہے۔ بطور نمونہ فتوح البلدان میں ان کے کچھ حالات پڑھے جا سکتے ہیں جن سے عراق میں ان کی اجتماعی اہمیت وغیرہ کا اندازہ ہو سکے گا۔ (۱۲۲)

زطیوں اور بالواسطہ ہندوستانیوں کے لئے یہ فخر کچھ کم نہیں ہے کہ انھیں زطیوں سے ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جس کو صرف دنیائے اسلام کی غالب اکثریت ہی نے نہیں بلکہ واقف کار غیر مسلم بھی "الامام الاعظم" کے نام سے یاد کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

سندھ کا تیسرا نسلی (یا پیشہ ورانہ ؟) ولسانی گروہ جس کا ذکر جاحظ کے یہاں ملتا ہی وہ میدہی۔ سندھ کے ساحلوں پر جانب مغرب بحرِ فارس تک کئی خانہ بدوش قومیں تھیں۔ ان میں اکثر ملاح تھے۔ سندھی اور ایرانی حکومتوں کی کمزوری کے زمانہ میں یہ سب کے سب ڈاکو بن گئے تھے۔ سندھ پر محمد بن قاسم ثقفی کے حملہ کا فوری سبب بھی میدہی ہوئے۔ انھوں نے ہی دیبل کے قریب وہ جہاز لوٹ لئے تھے جنھیں مالدیپ کے راجہ نے عراق روانہ کیا تھا۔

جاحظ نے میدوں کا جس طرح ذکر کیا ہی اس سے ایسا متبادر ہوتا ہی کہ وہ ہندیوں کی امن پسندی اور میدوں کی غارت گریوں سے واقف تھا (۱۲۳)

ہندوستانیوں کی جسمانی خصوصیتوں کے بارے میں گزر چکا ہی کہ وہ خوب رو وخوش قامت ہوتے ہیں اور اُن کی مخلوط اولاد تو بڑی ہی دلکش ہوتی ہے۔ سندھیوں کی دماغی صلاحیتوں کا اعتراف جاحظ نے جس طرح کیا ہے اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں معلوم ہوتا۔ وہ کہتا ہی :- سندھی جس کا کان چھدا ہوا ہو ــــــ بچپن ہی سے بادیہ عرب میں پرورش پائے تو ابو ہدیہؔ اور ابو مطرف غنوی سے زیادہ فصیح اللسان ہوتا ہے درانحالیکہ دوسری قوموں کے بچّے بادیہ عرب میں پرورش پانے کے باوصف فصیح اللسان نہیں ہوسکتے (۱۲۴) لیکن عمر رسیدہ ہونے کے بعد اگر کوئی سندھی عربوں میں رہے تو اُس کی زبان فصیح اور رواں نہیں ہوسکتی۔ اس کا لہجہ تو بدل ہی نہیں سکتا خواہ وہ پچاس سال تک بھی تمیمیوں، قیسیوں یا ہوازن میں کیوں نہ رہے سندھی عموماً جیم کا تلفظ ذال سے یا زار سے اور شین معجمہ کا سین مہملہ سے کرتے ہیں۔ مجھے محمد بن عباد نے اطلاع دی کہ ایک سندھی عورت اونٹ پر بیٹھی، جب اونٹ چلا اور یہ جھکولے کھانے لگی تو کہا :- ھذ الله مل بذکر تا بالسر (۱۲۵)

جاحظ کا کہنا ہے اور کہنا کیا عینی شہادت ہی کہ سندھیوں کو صرّافی سے طبعی مناسبت ہی۔ بطور تاکید وہ یہ بات الحیوان میں بھی دہراتا ہے جو فخر السودان میں کہہ چکا ہے کہ بصرہ کے سیٹھ ساہوکاروں کے صاحب کیسہ وخزانہ صرف سندھی ہوتے ہیں۔

محمد بن سکن نحو کے ایک عالم و معلّم گذرے ہیں انھوں نے ابو روح فرج نامی ایک سندھی غلام خریدا۔

ابو روح نے اپنی مہارت و دیانت سے اتنا مال کمایا کہ بصرہ کے اکثر صرافوں اور بر بھار یعنی بیش بہا، کم یاب و نادر اشیاء کا کاروبار کرنے والوں نے سندھیوں کو بہت با برکت سمجھا اور ان کی خدمات حاصل کیں ۔

حق یہ ہے کہ معاملہ صاف رکھنے اور اپنے ہم پیشوں کو لانے بسانے میں یہ بہت خوب ہیں (۱۲۶)

ہندوستان کی ان تمام بیش قیمت، کم یاب، قابلِ تحفہ اور نادر اشیاء کو مجموعی طور پر عربی میں بر بھار کہتے ہیں گویا فوج، کتب خانہ اور منده وغیرہ کی طرح یہ اسم جمع ہے ۔ بھار عربی میں وزن، بوجھ، مقدارِ معین کے معنیٰ میں بہت قدیم ہے ۔ قاموسوں میں اس کی منظوم و منثور شہادتیں بھی ہیں، نثری شاہد کے راوی نے آخر میں لکھا ہے: ۔ وسمعت ان البھار حِلد ثور (۱۲۷) یعنی میں نے سنا ہے کہ بھار بیل کی کھال کو کہتے ہیں ۔

سبھی کہتے ہیں بھار معرب ہے لیکن اصل کا پتہ لگانے کی کوشش کوئی نہیں کرتا " تحقیق بعض الالفاظ الھندیۃ المعربۃ " کے فاضل مؤلف کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے جو کہتے ہیں بھار سنسکرت کا لفظ ہے اس کے معنیٰ ہیں وزن، بوجھ، مقررہ مقدار ۔ فارسی میں بار ۔

" بر بھار " میں بر کے کیا معنی ہیں ؟ ہمارا خیال ہے کہ یہ فارسی کا بار ہے کثرتِ استعمال اور بھار سے ملنے پر الف گر گیا ۔

" ترادفی مرکب " اس زمانہ کی تاریخ ہے جب کہ بائع و مشتری کی زبانیں مختلف تھیں ۔ اسی کے ساتھ یہ ان تعلقات کا بھی مظہر ہے جو دو مختلف زبانیں بولنے والوں میں تجارتی، تہذیبی یا سیاسی حیثیت سے پیدا ہوتے ہیں ۔ تجارت میں ہندی بائع یا مشتری فارسی والے کو سمجھانے کے لئے بار اور ایرانی بائع یا مشتری ہندی کو اپنا مافی الضمیر واضح کرنے کے لئے بھار کہتا تھا ۔ کثرتِ استعمال جب مدتوں جاری رہا تو لوگوں کے ذہن سے نکل گیا کہ " بر بھار " ایک ہی مسمی کے دو اسم ہیں ۔ رشتہ ناتا، شادی بیاہ، گھر دار ۔ یہ ترادفی مرکب کی اردو مثالیں ہیں ۔

یہ بھی غیر اغلب نہیں کہ سنسکرت کا بھار اور فارسی کا بار (بوجھ، وزن) ایک ہی جڑ کی دو شاخیں ہوں ۔

عربی کے منثور شاہد میں بہار کے معنی بیل کی کھال لکھنے کی وجہ یہ ہے :- قدیم الایام میں بعض قیمتی اشیاً خاص کر عطر، عنبر، ایلوہ اور اسی طرح کی دوسری چیزیں ایک ملک سے دوسرے ملک کو بکرے یا گائے کی آنت میں بند کر کے لے جایا کرتے تھے۔ بعد میں ان چیزوں کے لئے چمڑوں کے ظروف بنائے جانے لگے جیسے آجکل پانی کی مشکیں، خرجیاں اور چھاگل بنتے ہیں۔ خوشبودار تیل کی چرمی کپّیاں حیدرآباد دکن میں آج بھی نادر نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر کپّی میں ایک مقررہ مقدار ہی سماتی ہے تو آج جس طرح دستہ، کوڑی اور انگریزی کا درجن ایک عددی اکائی ہے اس طرح اس زمانہ میں عطر اور اسی قبیل کی دوسری چیزوں کے لئے کپّی وزن کی ایک اکائی تصوّر ہوتی تھی۔ ظرف بولنا اور مظروف مراد لینا جس کو علم بیان والے مجاز مرسل کہتے ہیں، بہت سی زبانوں میں رائج ہے۔ بہار عربی کا لفظ تو تھا نہیں اس لئے عوام سمجھے اس چرمی کپّی ہی کا نام بہار ہے جو اتنی اور اتنی قیمت کی ہے اور اس میں اتنی چیز بھری ہوتی ہے۔

ہندوستان سے بر بہار عموماً گون میں بند کر کے بھیجی جاتی تھیں۔ عربی لفظ جونہ (بالفتح) اسی ہندی لفظ گون کی معرب صورت ہے۔ عرب لغویوں کو اس کا معرب ہونا معلوم تھا (۱۲۸) البتہ اصلیت کا پتہ حال ہی میں لگا ہے (۱۲۹) جونہ بھی ان لفظوں میں ہے جن سے عرب و ہند کے تجارتی تعلقات کی قدامت ثابت ہوتی ہے چنانچہ اعشیٰ کے ایک شعر میں بصیغہ جمع جُوَن (بضم جیم و بفتح واؤ) آیا ہے (۱۳۰) ابتداءً اس کا مدلول طبلۂ عطار تھا بعد میں سینگیاں لگانے والے کی تھیلی اور چمڑہ مڑی ہوئی ٹوکری بھی جونہ کہلانے لگی۔

جاحظ نے جونہ کو حجام (پچھنے لگانے والا) کی کسوت ———— وضع الحجام محاجمہ فی جونتہ۔ (۱۳۱) اور سپیرے کی چمڑہ مڑی ہوئی پٹاری کے معنوں میں استعمال کیا ہے آخر الذکر معنی جس عبارت میں آئے ہیں اس کی دلچسپی بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

بغداد و بصرہ میں کئی ایسے سپیرے تھے کہ اگر تم ان کو کچھ دو تو ———— یاکل احدھم ایّ حیّۃ اشرت الیھا فی جونتہ ———— وہ اپنی پٹاری میں کے جس سانپ کو کہو بغیر بھونے کچّا ہی چبا جائیں گے اور اگر بھونا ہوا ہو تو کیا کہنے! شادی کی ضیافت ہو جائے گی (۱۳۲)

بر بھارد جونہ کی تحقیق میں ہم ذرا دور نکل گئے ہیں لیکن سندھیوں کے متعلق جاحظ کے ذخیرۂ معلومات سے استفادہ کرنا نہیں بھول لیں گے۔ الحیوان میں ایک جگہ جاحظ نے یہ بھی شہادت دی ہے کہ سندھیوں میں آختے بہت کم ہوتے ہیں۔ موسیٰ بن کعب کے بنائے ہوئے کلہم اجمعین صرف چار ہیں۔ ان میں سے ایک کو تو میں نے بھی دیکھا ہے صقلبی کے آختے کی آواز بدل جاتی ہے لیکن سندھی کی آواز شاید ہی بدلتی ہو سندھی خواجہ سرا زیادہ تر حمامی کرتے، ناڑے بنتے، تکمے گانٹھتے اور مرغ لڑاتے ہیں۔ جاحظ ان کی طرف سے معذرت کے طور پر لکھتا ہے، زنانہ کاموں کا یہ میلان اور ان کی یہ صفتیں طبعی نہیں ہیں، بلکہ قطع برید کی وجہ سے وہ اس طرف مائل ہو گئے ہیں۔ اور رہے وہ سندھی غلام جن میں عُجب وکبر پایا جاتا ہے سو اس کی وجہ ان کی فلاکت ونکبت ہے، مگر یہ عُجب وکبر کچھ سندھی ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ ذلّتِ نفس وقلّتِ مال کا نتیجہ ہے۔ (۱۳۳)

ناڑے بُننے، تکمہ گانٹھنے کے لئے جاحظ نے عمل التکک لکھا ہے۔ عربی میں ازاربند کو تکّہ ــ بہ تار قرشت مفتوح یا مکسور۔ کاف مشدّد ــ کہتے ہیں۔ ابن درید کا (م ۳۲۱) کہنا ہے کہ تکّہ خالص عربی لفظ نہیں بلکہ دخیل ہے۔ احمد بن فارس (م ۳۹۵) لکھتے ہیں کہ تا وکاف مشدّد عربی میں بطور مادّہ اصلیہ نہیں آتے پھر قیاس کی درماندگی سے غالباً برافروختہ ہو کر لکھتے ہیں "او حب اللہ کسی لفظ کو صحیح عربی لفظ بنانا چاہے تو وہ صحیح ہی ہے"۔ جوالیقی (م ۵۴۰) اور خفاجی نے (م ۱۰۶۹) بھی صرف پچھلے اقوال نقل کر دیئے ہیں (۱۳۴) دوسروں کے لئے تکّہ کی اصلیت کا پتہ لگانا دشوار ہو تو ہو لیکن ہم اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ تاگا عموماً تین ریشوں سے بٹا جاتا ہے اور تین باریک تاگوں یا ڈوریوں سے بٹا ہوا موٹا تاگا یا ناڑا تکّا کہلاتا ہے۔ تکّی اس کی تصغیر ہے۔ چوٹی کی طرح ازاربند آج بھی تین لٹوں یا تین موٹے تاگوں سے بٹے اور بُنے جاتے ہیں۔ مغربی ساحل اور دکن کے بعض اضلاع میں ازاربند کے لئے تکّا آج بھی عام لفظ ہے۔ پاجامہ کے لئے عربی لفظ سراویل فارسی کے مرکب لفظ شلوار کی اور سراویل کا نیفق بھی فارسی کے نیفہ کی تعریب ہے۔ نیفہ کا ناڑا یا تاگا ہندیوں کا عطیہ معلوم ہوتا ہے۔ والعلم عند اللہ (۱۳۵) ہراش الدیوک یعنی مرغ بازی کی آختوں سے تخصیص پر کسی کو تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ اس زمانہ میں ایسے

شوق مہذب و معتدل آدمیوں کو زیب نہیں دیتے تھے۔

سندھیوں کو قسم قسم کی چٹ پٹی، لذیذ و مزہ دار پخت و پز سے ایک طبعی لگاؤ ہے، اس فن میں وہ اپنا کمال خوب دکھاتے ہیں لیکن بعض پیشوں سے ان کو کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ چنانچہ جب یحییٰ بن خالد برمکی نے (م ۱۹۰) گھڑ دوڑ کا اہتمام حبشی و نوبی لڑکوں سے لے کر سندھیوں کے تفویض کیا تو یہ اس میں کامیاب ثابت نہیں ہوئے۔ اسی طرح جب رومی فراشوں کے بجائے ان سے کام لے کر دیکھا تو اس میں بھی یہ اچھے نہیں رہے۔ (۱۳۶)

(۱۰)

جاحظ نے سندھیوں کی طباخی میں مہارت کا ذکر خصوصی طور پر ایک سے زائد مرتبہ کیا ہے اس لئے توقع تھی کہ اس کی کوئی نہ کوئی کتاب یا رسالہ زیادہ نہ سہی کم از کم چند ہی ہندی "الوان" کے نام اور ان کے اوصاف سے خالی نہ ہوگا لیکن یہ توقع پوری نہ ہو سکی، اس کی ایک دو کتابوں خاص کر البخلاء میں اشیائے خوردنی کے بہت سے مفرد و مرکب اسماء ضرور آئے ہیں مگر عجمی مرکب اسماء کی شکل عربی میں اتنی بدلی ہوئی ہے کہ ان کی اصل کا پتہ لگانا قریباً ناممکن ہے۔ البتہ مفرد اسماء میں شاید دس ایسے ہیں کہ تلاش و جستجو سے ان کا ہندی الاصل ہونا قریباً قطعی معلوم ہوتا ہے۔ ایسے نام بترتیب تہجی یہ ہیں۔

آم:۔ عربی میں انبجہ (الف مفتوح نون ساکن بار بسم اللہ مفتوح)

کتاب کے فوائد گناتے ہوئے جاحظ نے لکھا ہے ...... وھم اتوکم بالمنفعۃ التی فی الاشربۃ والانبجات ...... (۱۳۷) یعنی مشروبات و انبجات کے فوائد تحریر ہی سے تو معلوم ہوتے ہیں۔ اس عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انبجات سے کیری کا شربت یا آم کا مربہ مراد ہے میوے کے طور پر آم کے استعمال کا ذکر جاحظ کی کسی کتاب میں نظر نہیں آیا۔ بہر طور اس ایک حوالہ ہی سے اتنا تو یقینی ہے کہ جاحظ کے زمانہ میں اہلِ عراق آم سے واقف ہو چکے تھے اور یہ کہ موجودہ معلومات کی رو سے جاحظ کی یہ تحریر عربی ادب میں آم سے عربوں کی واقفیت کا قدیم ترین وثیقہ ہے۔

ارز یا ارزہ۔ آج کل حرف رُز = چاول (۱۳۸) یہ عوامی، تامل + ملیالم کا لفظ ہے۔ مور کی طرح

رزدکھن کے مغربی ساحل سے یونان گیا اور وہیں سے عرب ملکوں میں درآمد کیا گیا (۱۳۹) رز کا املا عربی میں کئی طریقوں سے آیا ہے تفصیل محولہ قاموسوں میں مل جائے گی لیکن اصل کا پتہ صرف عہدنامہ قدیم کی مطول فرہنگوں میں پایا جائے گا۔ اجمالی حوالہ کلیڈول میں موجود ہے۔

بطّ یا بہطہ (۱۴۰) یہ پراکرت کا بھات بمعنے اُبلے ہوئے چاول کی تعریب ہے۔

داذی (۱۴۱) یہ ہندی میں تاڑی ہے۔ عربی میں بہت قدیم زمانہ سے رائج ہے۔ البیان اس کا شاہد ہے۔

شربنا من الداذی کا ننا ملوک لنا بسر العراقین والبحر

جاحظ نے بھی اس کو ایک نشہ آور مشروب ہی کے معنی میں لکھا ہے۔ نیز البیان (۱۴۲) میں اپنے ایک معاصر اسود بن کریمۃ کا شعر بھی نقل کیا ہے جس کا مصرع ہے:۔ قد حسا الداذی صرفاً

اصحاب المعربات کے یہاں یہ لفظ نہیں پایا گیا۔ صاحب "تحقیق بعض الالفاظ الخ" کا قول کہ داذی ہندی تاڑی کی تعریب اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔

تاڑی سے سرکہ بھی بنایا جاتا تھا (۱۴۳) المخلاۃ میں تاڑی کے سرکہ کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نفع کم اور ضرر زیادہ تھا۔

سُکّر۔ سنسکرت لفظ سکّرا کی تعریب (۱۴۴) موھوب کے یہاں نہیں ہے۔

فانید (۱۴۵) "تحقیق بعض الخ" کی تحقیق میں سنسکرت و پراکرت میں پانیا اور فارسی میں بانیدہ بہ باء بسم اللہ۔ ہے جس کے معنی سفید شکر کے ہیں موھوب و خفاجی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

فلفل۔ کالی مرچ۔ ملحوظ یونانی پیداوار میں گذرچکا۔

موز سنسکرت کے موشہ بشین معجمہ کی تعریب ہے (۱۴۶)

اشیائے خوردنی میں یہ چند مفرد الفاظ ایسے ہیں جن کا ہندی الاصل ہونا قریب قریب یقینی ہے مرکب الفاظ کے اصل کا پتہ لگانے میں جو دشواری ہے وہ شاید ایک دو مثالوں سے واضح ہو سکے خشکان یا خشکانج، طباھج، کردناج وغیرہ۔ ان کے معنوں کی تفصیل میں جائیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہندی الاصل

الوان ہوں گے مثلاً خشکان کے بارے میں ملتا ہے کہ یہ میدے، گھی اور خشک میوؤں (مغزیات) سے بنایا جاتا ہے اور اس کی شکل چاند جیسی ہوتی تھی۔ خیال ہوتا ہے کہ یہ تو خالص ہندوستانی پوری ہوگی۔ مگر ان میں سے کسی کے متعلق قطعیت ممکن نہیں، امید ہے کہ ہماری طرح قارئین بھی محض خیالی طیارے اڑانا پسند نہیں کریں گے۔

سندھی طباخوں کی فنّی مہارت کے ساتھ جاحظ نے ان کی بے باک حاضر جوابی کی جو مثالیں دی ہیں اُن کے سلسلہ میں یہ بات تازہ کرلینی چاہیئے کہ اکثر لطیفے و نادرے مخصوص ماحول ہی میں بہت زیادہ لطف انگیز ہوتے ہیں۔ دوسرے وقت یا دوسرے مقام پر ان کی خوبی باقی نہیں رہتی یا اگر رہتی بھی ہے تو بہت کم۔ ذیل کے دو برجستہ جواب کچھ اسی قبیل کے معلوم ہوتے ہیں۔

مثنیٰ بن بشر غالباً ایک صاحب ثروت تاجر تھا۔ طبیعت پر بخل غالب تھا اس لئے میلا کچیلا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک سندھی غلام بغرض فروخت پیش ہوا۔ کہا گیا کہ یہ اچھا باورچی ہے۔

مثنیٰ نے سندھی سے پوچھا۔ تمہیں کون کون سے کھانے پکانے کا سلیقہ ہے؟

سندھی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

مثنیٰ نے پھر پوچھا۔ تمہیں کون کون سے کھانے پکانے کا سلیقہ ہے؟

سندھی مکرر سوال پر بھی انجان سا ہوگیا۔

مثنیٰ نے بگڑ کر کہا۔ اسے کیا ہوگیا ہے؟ بولتا کیوں نہیں؟ تجھے کون کون سے کھانے پکانے کا سلیقہ ہے۔؟

سندھی:۔ بار بار سلیقہ! تمہارے پاس جو کچھ ہے خود تم نے اس میں کیا سلیقہ دکھایا ہے۔ بس بس اتنی بات کافی ہے۔ پھر دلال سے کہا: اسے چلتا کرو، اس نے تو میرا بھانڈا پھوڑ دیا! (۱۴۷)

جاحظ کا دوست ثمامہ بیان کرتا ہے:۔ ایک مرتبہ ہمارے یہاں ایک سندھی غلام اپنے مالک کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ اچھا باورچی ہے۔ میں نے خریدنا چاہا تو مالک نے کہا: خریدنا

چاہیں تو مرضی آپ کی ۔ مگر یہ بھگوڑا ہے۔ یہ میں بتائے دیتا ہوں؟ یہ سُن کر میں نے سندھی سے پوچھا ۔ تو کب کب بھاگا تھا؟

سندھی واللہ کبھی نہیں بھاگا ۔

ثمامہ :۔ فرار اور اس پر کذب !! بلکہ نادانی بھی ۔ ؟

سندھی :۔ یہ کس طرح ؟

ثمامہ :۔ فروخت کے موقع پر مالک کی تکذیب مناسب نہیں ۔ یہ آزادی کا امکان بھی ختم کر دے گی ۔

سندھی :۔ اللہ آپ کا بھلا کرے ۔ قصّہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مجھ سے کچھ چوک ہوگئی ۔ جیسی میرے جیسے اوروں سے ہوتی ہے ۔ انھوں نے طرح طرح کی بکثرت قسمیں کھائیں کہ مجھے چار سو کوڑے لگائیں گے ۔ اب آپ ہی بتائیے فرار اختیار کروں یا قرار ؟۔

ثمامہ ۔ فرار ۔ اور اگر میں خرید لوں تو ۔ ؟

سندھی :۔ قرار و قیام ۔

ثمامہ نے مجھ سے (جاحظ سے) کہا کہ میں نے اسے خرید لیا ۔ اس سے بہتر طباخ میرے دیکھنے کیا سننے میں بھی نہیں آیا ۔ دیانت دار بھی بلا کا تھا ۔

جاحظ نے سندھیوں کی خوش گلوئی کی بھی بہت ستائش کی ہے ۔ ایک جگہ لکھتا ہے : سندھیوں کی آواز بہت دلکش ہوتی ہے، خصوصاً سندھی عورتوں کی آواز کا لوچ اور اس کی دل کشی کا تو دنیا بھر میں جواب نہیں ۔

اس سلسلہ میں دو باتیں قابل توجہ معلوم ہوتی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ سندھیوں سے جاحظ کی مراد غالباً خالص سندھی نہیں ہے بلکہ اس میں ہندی مغربی ساحل خاص کر گجراتی بھی شامل ہیں جو اس زمانہ میں سندھیوں سے بہت زیادہ ممتاز نہیں تھے خصوصاً وہ جو عراق میں بس گئے تھے یہاں وہاں بکثرت جایا آیا کرتے تھے ۔ دوسرے یہ کہ جاحظ نے جس خوش گلوئی کا ذکر کیا ہے وہ سندھیوں اور گجراتیوں کے

کام و دہن کی عام خلقی خوش آوازی ہو نہ کہ فنی - سندھی گائنوں کے بارے میں جو ایک جملہ لکھا ہو وہ اوپر گذر چکا موسیقی کے سلسلہ میں جاحظ کی مطبوعہ تحریروں میں کسی ہندی یا سندھی گویئے یا گائن کا کوئی بالواسطہ حوالہ بھی نہیں ملا البتہ ایک خالص ہندی آلۂ موسیقی — کوکلہ کا متعین حوالہ اس مقالہ کے ناظرین کو بھی غالباً یاد ہوگا جو اس کے رسالہ فخر السودان کی عبارت کے ترجمہ میں اوپر آ چکا ہے -

کوکلہ کے متعلق — بالفتح دوسرا کاف بالکسر — جاحظ نے صراحت کر دی ہو کہ یہ کدو پر ایک تار تان کر بنایا جاتا ہو جیسا کہ عُود کے تار ہوتے ہیں -

کوکلہ آج کل ہندوستان میں یک تارا کہلاتا ہے - عام طور پر گداگروں اور دل بہلانے والے دیہاتیوں میں بکثرت رائج ہے - کوکلہ یا کوکل اس مشہور پرندہ کا نام ہے جو اردو میں کوئل کہلاتا ہو - باجہ کا نام اس کی شکل کی وجہ سے نہیں بلکہ کوئل کی آواز سے اس ساز کی صوتی مشابہت کی بنا پر ہے -

عراق اور خاص کر بصرہ میں یہ باجہ زیادہ تر ملاحوں، خلاسیوں اور اُن کے جیسے دوسرے سخت محنت کشوں کے ذریعہ گیا ہوگا کیونکہ اس کے بجانے میں کسی خصوصی مہارت کی ضرورت نہیں - مزدوروں اور عامیوں کے لئے طویل سرد راتوں میں دل بہلائی کا ایک سستا مشغلہ ہے -

کوکل کے ساتھ ساتھ جاحظ نے صنج کا نام بھی لیا اور اس کو ہندوستان سے خاص کیا ہے - کوکل کی طرح صنج کا ہندوستان سے مخصوص ہونا یقیناً صحیح ہو اس لئے کہ ہندی کے جھانجھ کو عربوں نے اپنے لسانی سانچہ میں بٹھا کر صنج بنایا ہے - جھانجھ سے عربوں کے کان دورِ جاہلیت ہی میں آشنا ہو چکے تھے - آلۂ موسیقی میں صنج کا لفظ اموی دورِ خلافت کے رجز گو عجاج کے علاوہ جاہلی شاعر اعشیٰ بصیر کے یہاں بھی آیا ہو اعشیٰ کو صناجۃ العرب کہنے کی وجہ یہی بتائی جاتی ہے کہ عرب شاعروں میں وہی پہلا ہو جس نے صنج کا لفظ استعمال کیا ہو (۱۴۸)

اس سلسلہ میں عربوں کا مدتوں سے جانا بوجھا طنبورہ اس حیثیت سے قابل توجہ ہے کہ یہ اصلاً ہندی باجہ ہے گو جاحظ نے اس کا نام ہندیوں کے سلسلہ میں نہیں لیا - الحیوان میں (۱۴۹) ضمنی طور پر ذکر کر دیا ہے -

طنبور ہندی لفظ تومڑی (ہانڈی جیسی شکل کا کدو یا کدو) کی معرب صورت ہے۔ عربی قاموسوں اور فارسی لغتوں میں اس کی صراحت موجود ہے بعض لغویوں نے اس کو دنب + برہ (بچھڑہ وغیرہ کی دُم) کی تعریب بنایا ہے جو صحیح نہیں (۱۵۰) اہل عرب دال کو طا سے نہیں بدلتے کیونکہ اُن کے یہاں دال موجود ہے۔

جاحظ نے منفصل شطرنج کا ذکر شاید اس لئے ہے کہ "لہو" سے زیادہ اس نکر پرور "لعب" سے اس کا معتزلی دماغ زیادہ ہم رنگ تھا۔

شطرنج (ہندی چترنگ) کے متعلق بشمول اُردو قریباً ہر زبان میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ یہاں اُس کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے البتہ شطرنج کی تاریخ میں جاحظ کے بیان کی حیثیت واضح کرنا غیر ضروری نہ ہوگا۔

شطرنج کی ایجاد بہت زیادہ قدیم نہیں ہے چنانچہ خود ہندی مصادر میں اس کا حوالہ ساتویں صدی عیسوی (پہلی صدی ہجری تقریباً) سے پہلے نہیں ملتا اس لئے اس کی ابتدا کا سراغ لگانے کے لئے تخیل زدہ افسانوں کے تار و پود میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن جو حوالہ ملتا ہے وہ بہت مجمل بلکہ مبہم ہے اور اس سے شطرنج کی صرف ابتدائی شکل کی نشاندہی ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ شطرنج کی موجودہ شکل مدت دراز کے ارتقاء کا نتیجہ ہے اور اس کو ترقی دینے میں مسلمانوں نے بھی بڑی دماغ سوزی کی ہے۔

ہندوستان کے باہر دوسروں خاص کر اہل مغرب کو شطرنج کا علم عربی ذریعہ ہی سے ہوا (۱۵۱) اور عربی مصادر میں جاحظ کے بیانات تاریخ شطرنج کی نہایت قدیم شہادتیں ہیں اس لئے کہ عربی ادیبوں اور عالموں میں غالباً یہی پہلا شخص ہے جس نے کتاب النرد والشطرنج قلم بند کی (۱۵۲)

اگرچہ عربوں میں شطرنج کا رواج پہلی صدی ہجری کے ربع سوم میں شروع ہو چکا تھا۔ لیکن اس واقعہ کا تحریری ثبوت انہیں کتابوں سے ملتا ہے جو جاحظ نے لکھی تھیں یا اس کے بعد تالیف ہوئیں۔

محمد ابن ندیم (م ۳۸۳ قریباً) کا یہ لکھنا کہ العدلی کی کتاب النرد والشطرنج اپنے موضوع پر پہلی (عربی) کتاب ہے (۱۵۳) بہت کچھ محل نظر ہے کیونکہ عدلی کی مدتِ حیات وغیرہ کے متعلق بجز اس کے کہ وہ دسویں عباسی خلیفہ (م ۲۴۷ھ) کا ایک ماہر شاطر تھا، اور کچھ معلوم نہیں۔ متوکل چوبیس ذی حجہ ۲۳۲ھ

میں خلیفہ ہوا۔ اس وقت جاحظؔ اپنی زندگی کی چوراسی منزلیں طے کرچکا تھا اور اس خلیفہ کی وفات کے وقت اٹھانوے سال کا ہوچکا تھا اور فالج کے مرض میں مبتلا تھا۔ ان حالات کی بنا پر یہ کہنا غالباً غلط نہ ہوگا کہ کتاب النرد والشطرنج متوکل کے خلیفہ ہونے سے پہلے ہی لکھی جاچکی تھی۔ اس قیاس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جاحظ نے الحیوان جیسی مبسوط اور البیان والتبیین جیسی مفصل کتابیں اپنی زندگی کے آخری دور میں مکمل کیں جب کہ اس کی عمر کا غالباً ساتواں دہا بھی پورا ہوچکا تھا اور خود اس کے بیان کے مطابق اس کے بیشتر رسالے الحیوان کی تالیف سے بہت پہلے ہی مشہور ہوچکے تھے (۱۵۴)

ابن ندیم نے عدلی کی کتاب کا فن شطرنج پر پہلی تالیف ہونا غالباً اس لئے لکھا کہ عدلی اپنے وقت کا بہترین شاطر تھا۔ اس نے شطرنج پر جو کچھ لکھا وہ ماہر فن ہونے کی حیثیت سے لکھا اور اس کی کتاب مدتِ دراز تک ساری عرب دنیا میں شطرنج کے شوقینوں میں مقبول ہوئی اور شاطروں کا مرجع و ماخذ رہی۔ جاحظ نے جو کچھ تحریر کیا اس کی نوعیت فنی کم اور ادبی و تاریخی زیادہ ہوگی اس لئے اس کی اشاعت محدود رہی۔ جاحظ وغیرہ کی بہت سی دوسری کتابوں کی طرح ابن ندیم کو اس کتاب کا بھی علم نہ ہوسکا۔

افسوس ہے کہ جاحظ کی کتاب النرد والشطرنج کے مکمل نسخے کی موجودگی کا اس وقت تک تو ہمیں علم نہ ہوسکا۔ عدلی کی کتاب بھی غالباً ناپید ہے۔ بعد کی جن کتابوں میں اس کا خلاصہ یا اقتباس مل جاتا ہے وہ بھی چھپ کر منظر عام پر نہیں آئیں۔

بطور تکملہ یہاں اتنی بات اور بھی قابلِ ذکر ہے کہ مسلمان مورخوں نے صاف صاف اعتراف کیا ہے کہ عربوں نے شطرنج براہ راست ہندیوں سے نہیں بلکہ بالواسطہ ایرانیوں سے حاصل کی۔ ایرانیوں کو اس کھیل سے ان کے شہنشاہ نوشیرواں نے (۵۳۱ تا ۵۷۸) متعارف کرایا۔ پہلوی زبان کے "چترنگ نامہ" سے بھی مورخوں کے اعتراف کی توثیق ہوتی ہے جو یقیناً جاحظ سے بہت پہلے، غالباً پہلی صدی ہجری، میں لکھا گیا تھا (۱۵۵)

بہرحال ہندوستان میں شطرنج کی ایجاد، ایران میں اس کی آمد اور مسلمانوں میں اس کے رواج کا زمانہ متعین ہے البتہ اس کی علت غائی اور اس کے موجد کی تعیین میں اختلاف ہے۔ جاحظ نے اسی

اختلاف کا سہارا لے کر ابن عبدالوہاب کو مات دینی چاہی ہے۔

(۱۱)

جاحظ نے جن سندھیوں سے براہِ راست یا قریباً براہِ راست استفادہ کیا اور جن کا اس نے تعین وتشخص کے ساتھ ذکر کیا ہے ان میں ابراہیم اُن کا باپ سندی بن شاہک اور منتجع بن نبھان بہت نمایاں ہیں۔

عباسیوں کی تاریخ میں ابراہیم کے والد ابو نصر سندھی کی حیثیت خواہ کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو، یہاں ان کی سوانح مرتب کرنا بے محل ہے۔ لہٰذا اس موقع پر صرف وہی واقعات پیش کئے جائیں گے جو جاحظ نے خاص طور سے اس کے متعلق اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں، بطور تعارف صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ دوسرے عباسی خلیفہ منصور (م ۱۵۸) کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مہدی (م ۱۶۹) و ہادی (م ۱۷۰) کے دور میں "صاحب البرید" (ناظم پٹہ وزیر مواصلات) رہے۔ علاوہ بریں اسی زمانہ میں انھوں نے بعض دوسرے اہم سرکاری کام بھی انجام دیئے۔ ہارون (م ۱۹۳) کے عہد میں شام کی ولایت (۱۷۶) دارالضرب کی نظارت اور دوسرے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے اور خلافت کو ایرانی گروہ کے تسلّط سے محفوظ رکھنے میں ہارون کے مدد ومعاون رہے۔ امین (م ۱۹۸) پر تو پوری طرح چھا گئے تھے (۱۵۶)

ذراست و دانائی کے واقعات پڑھنے سے پہلے سندھی کی ایک خلقی وطبعی خصوصیت کا حال سنئے جو بقول جاحظ صرف درندوں، چیونٹیوں یا ریگستانی شتر مرغوں میں پائی جاتی ہے۔

ابراہیم نے جاحظ کو بتایا کہ ایک روز مجلس میں سندھی نے کہا: مجھے چوہے کی موت کی بو آرہی ہے۔ پھر ادھر اُدھر رُخ کر کے بہ تکلف سونگھتے ہوئے کہا۔ اُس کونے میں دیکھو۔ خادم اِدھر دوڑے تو شطرنجی کے ایک سرے پر بقدر ایک درہم تری پائی گئی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ واقعی چوہے کا موت ہے!!

اسی طرح ایک روز کا واقعہ ہے: سندھی کا دربار لگا ہوا تھا۔ پیچھے سپاہی قطار در قطار استادہ تھے۔ یکایک سندھی نے کہا:۔ دیکھو کسی کے جرّاب گندے تو نہیں؟ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے

حاضرین نے اپنی اپنی جرّابیں سونگھیں مگر کسی کو کچھ بو نہیں آئی تو سندھی نے اِدھر اُدھر ناک اُٹھا کر ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اُس کی جرّابیں دیکھو۔ اس شخص کا جوتا اُتارا گیا اور جراب دیکھی گئی تو معلوم ہوا کہ واقعی اس کی جرابیں گندگی سے آلودہ تھیں۔

(اس خیال سے کہ کہیں میلی جرّابوں والا خجالت میں ڈوب نہ جائے) سندھی نے یہ کہہ کر کہ اسی ایک شخص کی جرابوں کا گندا ہونا کیا ضرور ہے، سب حاضرین کے جوتے اُترواد یئے۔

قوّت شامہ کی یہ تیزی تو ایک انتہائی بات تھی، سندھی کا نمایاں وصف اس کی ذہنی ذکاوت اور حکمرانی کی صلاحیت ہے جو ہارون کے دور میں بہت نمایاں ہوئی۔

یہ واقعہ سندھی کی ذہنی تہذیب اور اخلاقی شائستگی کا ایک نمونہ ہے، تدبر کی مثال دیکھنا ہو تو اس کی ولایتِ شام کا واقعہ خود اسی کی زبان سے سنئے جو دلچسپ تو ہے ہی عبرت سے بھی خالی نہیں۔

شام میں میری حکمت عملی یہ تھی کہ قحطانیوں (یمانی) اور عدنانیوں (نزاری قیسی) سے بالکل مساویانہ برتاؤ کروں، میں نے اعلان کر دیا تھا کہ یمنی ہوں یا نزاری میرے پاس سب برابر ہیں، جاہ و منزلت کا حصول اللہ اور خلیفہ کی اطاعت پر منحصر ہوگا، چنانچہ آنے، بیٹھنے، اُٹھنے، جانے حتیٰ کہ دسترخوان پر بھی میں دونوں فریقوں سے یکساں سلوک کیا کرتا تھا۔ (باقی)

بڑوں کی یادگاریں

حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم یادگار مدرسہ امینیہ کی عمارت اور مسجد عرصے سے قابلِ مرمت ہو اور اس برسات میں بھی شکستگی بڑھ گئی ہو۔ یہ عمارتیں چونکہ دیندار اور ہمدرد مسلمانوں کے چندے سے تعمیر ہوئی تھیں اس لئے مسلمانوں ہی کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ ان کی مرمّت کی طرف فوری توجّہ فرمائیں۔ مرمّت شروع ہونے والی ہو اپنی وسعت کے مطابق اس نیک کام میں حصّہ لیجئے اس میں تقریباً چار پانچ ہزار روپیہ لگے گا۔ اگر دو تین اہل خیر حضرات مل کر تعاون کریں تو یہ کوئی بہت بڑا کام نہیں ہو۔ دیر ہونے میں عمارت کو زیادہ نقصان پہنچے گا۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے والے گھاٹے میں نہیں رہتے۔

حفیظ الرحمٰن واصفؔ مہتمم مدرسہ امینیہ اسلامیہ۔ کشمیری دروازہ دلّی